تفسیر
سورۂ شمس

سُورَةُ الشَّمْسِ

مَكِّيَّةٌ ـــــــــــــ اٰيات : ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۵ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮

شاہد ہے آفتاب اور اس کا چڑھنا اور چاند جب اس کے پیچھے لگے۔ اور دن جب اسے چمکا دے اور رات جب اسے ڈھانکے۔ اور آسمان اور جیسا اس کو اٹھایا اور زمین اور جیسا اس کو پھیلایا اور دل اور جیسا اس کو بنایا۔ پس اس کو سمجھ دی بدی اور نیکی کی۔ کامیاب ہوا جس نے اسے صاف کیا اور ناکام ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔ ثمود نے جھٹلایا اپنی سرکشی سے جب کہ ان کا منحوس ترین آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پیغمبر خدا نے ان سے کہا خبردار خدا کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری سے۔ سو پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا تب خدا نے ان کے گناہ کے بدلے ان پر غضب نازل کیا اور انھیں ناپید کر دیا اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھے کیا ہو گا۔

۱- سورہ کا عمود

اس سورہ میں قریش اور ان کے بدبخت سردار کو ان کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی دعوت کی، جو سراسر توحید اور کمزوروں کی ہمدردی اور جزا و سزا کی تعلیمات پر مشتمل تھی، تکذیب کی تھی اور اسلوب بیان اس سورہ کا اجمال کا ہے نہ کہ تفصیل کا۔ یعنی صرف ان کی سرکشی اور ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا۔ اس سرکشی اور ڈھٹائی کی تفصیل نہیں کی گئی ہے۔ اور تفصیل نہ کرنے کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- اگلی اور پچھلی سورہ میں ان امور کی تصریح موجود تھی۔

۲- یہ امور قرآن مجید میں پورے شرح و بسط کے ساتھ بار بار بیان ہو چکے ہیں۔

۳- اس سورہ کی شہادتیں، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، ان امور کی تصریح کے لیے کافی ہیں۔

(ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب سے جھٹلایا) میں اگرچہ ان چیزوں کی تصریح نہیں ہے جن کی ثمود نے تکذیب کی تھی لیکن یہ چیزیں راز نہیں ہیں کیونکہ ثمود نے حضرت صالحؑ کی تکذیب کی تھی اور حضرت صالح کی دعوت، توحید، ایمان بالآخرت، اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی کی دعوت تھی۔

۴- اس سورہ کا اصلی زور انذار پر ہے اس وجہ سے انذار ہی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ دوسرے مطالب اس کے مقابل میں دب گئے ہیں۔ یہ اسلوب اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ مخاطب کی توجہ منتشر نہ ہونے پائے اور کلام کا پورا زور ایک ہی نشانہ پر پڑے۔ چنانچہ صرف ایک ہی بات کا ذکر فرمایا جو ان کی جسارت اور ان کی نامرادی دونوں کو واضح کر رہی ہے۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا یعنی پیغمبر نے ان کو متنبہ کر دیا کہ اگر انھوں نے سرکشی کی اور اونٹنی کو گزند پہنچایا تو ان پر خدا کا عذاب آ دھمکے گا۔

پس یہ ایک مثال ہے جو قریش کو متنبہ کرنے کے لیے ان کے سامنے رکھی گئی ہے اور جو کچھ وہ اپنے رسول کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے انجام کو ان کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ وہ آگاہ ہو جائیں۔

۲- سورہ کا تعلق آگے اور پیچھے سے

سابق سورہ (سورۃ البلد) میں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ذکر ہوا تھا۔ "اصحاب المشئمہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ پہچانی اور اس کی امانت، اور بیت اللہ کے فرائض میں بدعنوانیاں کر کے بدبختی میں پڑے۔ اس سورہ میں ان لوگوں کے سامنے قوم ثمود کے اس بدبخت ترین لیڈر کو بطور مثال پیش کیا ہے، جس نے اپنی سرکشی کی بدولت پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں ڈھکیلا تاکہ قریش دیکھ لیں کہ وہ بھی اسی بدبخت انسان کی روش پر چل رہے ہیں۔ انھوں نے بھی بیت اللہ کے اصل مقصد کو بالکل برباد کر دیا ہے اور آیندہ اپنے رسول کے ساتھ بعینہٖ اسی طرح کا معاملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو معاملہ ثمود نے اپنے رسول کے ساتھ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا

کہ جس طرح خانۂ کعبہ کی بے حرمتی، ان کی بدبختی اور نامرادی کا سبب ہوئی ہے اسی طرح رسول کی بے حرمتی ان کی بربادی کی تکمیل ہوگی۔

اس تنبیہ اور انذار کے بعد سلسلۂ سخن خلق خدا کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے مضمون کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ اور نہایت اختصار کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے نیکوکاروں اور مال سمیٹ کر رکھنے والے بخیلوں کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ انہی کے انجام کار کی تفصیل بعد کی سورہ میں (سورۃ اللیل) میں آئی ہے، جیسا کہ اس کی تفسیر سے معلوم ہوگا۔

۳- سورہ کا نظم اور اس کے اجزاء کا باہمی تعلق

ان آیات کے باہمی نظم پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ اس سورہ میں پندرہ آیتیں ہیں اور ان سب میں خدا کے قانون جزا و سزا کی شہادت ہے۔ ابتدائی دس آیتیں عام دلائل فطرت میں سے ہیں اور بقیہ پانچ مسلّم تاریخی شہادتیں ہیں اور یہ اسلوب قرآن مجید میں عام طور پر پاؤ گے کہ تاریخی دلائل کے پہلو بہ پہلو فطری دلائل بھی بیان ہوتے ہیں اور ان کا انداز بیان کبھی قسم کا ہوتا ہے کبھی غیر قسم کا اور یہ بات ہم اپنی کتاب الامعان فی اقسام القرآن میں بیان کر چکے ہیں کہ قسم کا مقصود دلائل کا بیان ہوتا ہے۔

قسم کے اسلوب پر دلائل فطرت کے بیان اور پھر ان کے بعد تاریخی شہادتوں کے ذکر کی مثال سورہ فجر میں ملتی ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے فجر کی دس راتوں کی، جفت اور طاق کی، اور شب کی (جب کہ وہ ڈھل جائے) کی گواہیاں پیش کی ہیں اس کے بعد دنیا کی بعض سرکش قوموں مثلاً عاد، ثمود اور فرعون کے حالات و واقعات بطور شہادت سنائے ہیں۔ یہی انداز سورہ والذاریات میں بھی ہے۔ پہلے دلائل فطرت بیان ہوئے ہیں، اس کے بعد قوم لوط، قوم فرعون، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح کی سرگزشتوں کو تاریخی شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس قسم کے نظم کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ ایک غیر قسمی اسلوب کی عمدہ مثال سورۂ سجدہ کی یہ آیت ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ

کیا ان کو اس بات سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر ڈالیں جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں (جزاء، عدل، اور قدرت الٰہیہ کی) تو کیا یہ لوگ سنتے سمجھتے نہیں (یہ واقعات) کیا انھوں نے نہیں دیکھا (یعنی اگر سنا نہیں تو کیا دیکھا بھی نہیں) کہ ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں چٹیل زمین کی طرف پھر پیدا کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے کھیتی کو جس میں سے کھاتے ہیں ان کے چوپائے اور وہ خود تو کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں! اور پوچھتے ہیں کب

صٰدِقِیْنَ ۔ (السجدۃ - ۲۶ - ۲۸)

یہ فیصلہ ہوگا (یعنی حق و باطل کے درمیان) اگر تم سچے ہو۔

اس آیت میں پہلے تاریخی واقعات سے جزاء و سزا کو ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد حشر و نشر اور ربوبیت پر واقعات فطرت سے استدلال کیا ہے۔ سورۂ قمر میں بھی یہی انداز ہے۔ پہلے جزاء اور سزا کے لازمی ہونے پر ایک فطری دلیل پیش کی ہے۔ اس کے بعد قوموں کی ہلاکت کے حالات و واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (القمر ۱-۵)

قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو اعراض کریں گے اور کہیں گے یہ تو پرانا جادو ہے اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔ اور ہر کام کا ایک وقت معین ہے اور ان کے پاس اتنے حالات پہنچ چکے ہیں جن میں کافی تنبیہ ہے۔ بھرپور حکمت، پس ڈراوے کیا نفع دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور متعدد سورتوں میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ قرآن میں یہ اسلوب عام ہے۔ البتہ اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ آفتاب و ماہتاب، رات اور دن اور زمین و آسمان کی گواہی یہاں کس بات پر پیش کی ہے اور اس کے پہلو کیا کیا ہیں۔

پہلے ہم اس اسلوب پر ایک عمومی نظر ڈالیں گے اس کے بعد شہادت کے پہلو بے نقاب کریں گے۔

۴۔ شہادت کا عمومی پہلو

اس کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی نہ کسی صفت کا جلوہ نہ ہو۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (نہیں ہے کوئی چیز مگر اس کی حمد کی تسبیح پڑھتی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ کی گواہی دے رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ عموماً صرف اپنی بڑی بڑی نعمتوں ہی کو یاد دلاتا ہے کیونکہ انسان ان کا اسی حال میں انکار کرسکتا ہے جب بالکل ہی اندھا بہرا بن جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بالعموم اپنی قدرت و حکمت کی ایسی ہی کھلی ہوئی نشانیوں کا حوالہ دیا ہے جن کو ہر احساس رکھنے والا انسان بغیر کسی کاوش کے دیکھ لے۔ مثلاً سورج، چاند، رات دن، آسمان، زمین وغیرہ۔ کبھی کبھی چھوٹی نشانیوں کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی نشانیاں بے شمار ہیں، ان کو کوئی گن نہیں سکتا۔

قرآن مجید کا عام انداز استدلال یہ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا

بیشک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کی گردش میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور کرتے ہیں (اور پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب یہ کارخانہ تو نے بے مقصد نہیں بنایا ہے (یعنی اس کارخانہ

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(سورہ ال عمران - ۱۹۰-۱۹۱)

کائنات کے اندر جو آثار حکمت ہر گوشہ میں ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں ان سے وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ کارخانہ بے مقصد اور بے غایت نہیں ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ ایک لامتناہی مدت تک بغیر کسی عدالت و انصاف اور جزاء و سزا کے ظہور کے یوں ہی چلتا رہے۔ فکر و نظر کی اس منزل میں پہنچ کر وہ خدا کی حمد و تسبیح میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور پھر یہیں سے وہ جزا کا یقین حاصل کرتے ہیں اور بے تحاشا ان کی زبانوں پر کلمہ استغفار جاری ہوجاتا ہے) تو پاک ہے۔ پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔

یہ حکمت، اور جزاء و سزا کے ظہور پر استدلال ہوا۔

اسی طرح اس کارخانہ کائنات کے اندر اس کی ہمہ گیر رحمت اور اس کی پروردگاری کی جو نشانیاں ہیں ان سے اپنی توحید پر استدلال کیا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ ۱۶۳-۱۶۵)

اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ، رحمٰن اور رحیم ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور رات اور دن کی آمد و شد میں اور کشتی میں، جو لے کر چلتی ہے سمندر میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں، اور پانی میں جو اللہ نے آسمانوں سے اتارا پس اس کے ذریعہ زندہ کیا زمین کو اس کی موت کے بعد اور پھیلائے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان بندھے ہوئے ہیں، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (اس استدلال کے بعد ان لوگوں کی حماقت پر تنبیہ فرمائی جو اتنی کثیر اور واضح آیات کے باوجود خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔

قرآن مجید اس قسم کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔ جن پر غور کرنے سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ یہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دوسری صفات کمال پر دلیل ہیں اور پھر انہی سے قیامت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ اور ان کا دلیل ہونا یوں بھی واضح ہے کہ قرآن مجید نے جگہ جگہ ان کے دلیل و حجت ہونے کی تصریح کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ تاروں اور آفتاب و ماہتاب سے توحید پر استدلال کرنے کے بعد فرمایا:

تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ

اور یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو دی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک مناظرہ نقل کیا ہے جو ان کے اور ایک کافر بادشاہ کے درمیان ہوا ہے اور

جس میں انھوں نے آفتاب کی تسخیر سے توحید پر استدلال کر کے حریف کو بحث میں بالکل عاجز کر دیا ہے۔

پھر قرآن مجید نے دلیل کے اعتبار سے ان چیزوں کو محض اشارات و کنایات کا رتبہ نہیں دیا ہے بلکہ بدیہیات اور یقینیات کا درجہ بخشا ہے۔ ایک جگہ آسمان و زمین کی خلقت، کو توحید اور جزا و سزا کی دلیل کے طور پر بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ۔ (حم السجدۃ - ۱۳)

پس اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ میں تم کو ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جو عاد و ثمود والی کڑک کی طرح ہوگی۔

یعنی یہ دلیل، جو ان کو سنائی گئی ہے ایک نہایت، واضح حجت ہے۔ اس کے بعد اعراض و انکار کے لیے کوئی گنجائش نہیں باقی رہ جاتی۔ اگر اس کو بھی وہ نہیں مانتے تو معلوم ہوا کہ ان کا اعراض اس وجہ سے نہیں ہے کہ دلیل مضبوط نہیں ہے یا بات اچھی طرح واضح نہیں ہوئی ہے بلکہ شرارت اور سرکشی کی وجہ سے ہے اور جن لوگوں نے یہ حالت اختیار کر لی ہو، ان کے لیے اب صرف یہ بات باقی رہ گئی ہے کہ ان پر عاد و ثمود والا عذاب نازل ہو۔ قرآن مجید میں اس اسلوب کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب کی گردش، روز و شب کی آمد و شد، زمین و آسمان کی خلقت اور ان کے عجائب کے اندر توحید کی، رحمتِ الٰہی کی، عدل اور قانون جزا و سزا کی اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اوپر ہم نے اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کی توضیح کی ہے۔ آیندہ فصل میں انشاء اللہ اس کی مزید توضیح ملے گی۔

۵- معاد کے ظاہری و باطنی دلائل

آفتاب و ماہتاب وغیرہ کی دلالت، ان امور پر جن کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ایک خاص پہلو توجہ دلانے کے قابل ہے اور اس وقت ہم بالاجمال اسی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس سورہ میں مقابلہ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو شہادت میں پیش کیا ہے، ان کو تنہا حالت میں نہیں پیش کیا ہے بلکہ ان کے مقابل اور جوڑے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سورج کے ساتھ چاند ہے، رات کے ساتھ دن ہے، آسمان کے ساتھ زمین ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور قرآن مجید کی تصریح سے یہ بات ہم کو معلوم ہے کہ اشیا کے جوڑے جوڑے ہونے میں ہمارے لیے بہت سی دلیلیں ہیں۔ فرمایا ہے:

وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ٥ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ (الذاریات - ۴۹-۵۱)

اور ہر چیز سے ہم نے بنایا جوڑا، تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو (یعنی وہ خالق حکیم ہے جو ہر وجود کو اس کے جوڑے کے لیے موزوں اور سازگار بناتا ہے اور سب پر قابو رکھتا ہے) پس بھاگو اللہ کی طرف، بیشک میں تمھارے لیے اس کی طرف سے کھلا ہوا ہوشیار کرنے والا ہوں (وہی تمھارا رب اور معبود ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا ہے) اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بیشک میں تمھارے لیے اس کی طرف سے کھلا ہوا ہوشیار کرنے والا ہوں (یعنی وہی تنہا تمھارا پروردگار ہے)

دوسری جگہ فرمایا:

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ٥ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ٥ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ٥ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ۔

شاہد ہے رات جب ڈھانک لے اور دن جب روشن ہو اور نر و مادہ کی آفرینش کہ تمھاری کوششیں مختلف ہیں۔

اس کے آگے ان مختلف کوششوں کا بدلہ بیان فرمایا ہے۔

اب غور کرو اس کلام کا سیاق ہم کو اس تقابل کی طرف کس طرح متوجہ کر رہا ہے جو اس نظام کائنات کے ہر گوشہ میں موجود اور اس تمام سعی و عمل کے ہنگامہ کا اصلی محرک ہے اور جو خود ہمارے نفس کی تربیت کے لیے بھی ناگزیر ہے، کیونکہ نفس انسانی کا تمام شرف و کمال اس ریاضت پر مبنی ہے جو اس کو دو بالکل متضاد میلانات کی کشاکش کے اندر کرنی پڑتی ہے تفصیل اس اجمال کی بہت طویل ہے اس سے متعلق بعض اشارات تفسیر سورہ تین میں ملیں گے۔ یہاں ہمارے پیش نظر بحث کا صرف اتنا حصہ ہے جتنا اس سورہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کائنات کی ہر چیز، غور سے دیکھو، ایک پہلو سے وہ بالکل کامل اور مستقل نظر آئے گی۔ دوسرے پہلو سے ناقص اور محتاج۔ اور ان میں حسن اور حکمت کا اصلی جمال اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ان میں سے ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر اپنے اس نقص اور اس احتیاج کے خلا کو پر کر لیتی ہے۔

پھر ذرا اور گہری نظر سے دیکھو گے تو تمھیں نظر آئے گا کہ یہ دنیا متضاد عوامل اور مختلف و متقابل قوتوں کی ایک رزم گاہ ہے۔ یہاں زندگی اور موت، تخریب اور تعمیر کی ایک باہمی آویزش ہر گوشہ میں پائی جاتی ہے۔ جن کی نگاہیں تہ تک پہنچنے کی عادی نہیں ہیں وہ اس حالت سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ دنیا مختلف الاغراض اور جنگ جو دیوتاؤں کا ایک اکھاڑا ہے۔ یہی مقام ہے جہاں مجوس کو ٹھوکر لگی ہے اور وہ ثنویت کے چکر میں پھنس گئے اور یہیں سے مختلف بت پرست قوموں نے بہت سے ایسے عقائد و نظریات پیدا کر لیے جو گمراہی میں مجوس کی ثنویت سے بھی بڑھ کر ہیں۔ حالانکہ یہ ٹھوکر محض فکر و نظر کی کوتاہی سے لگی۔ جن کی نگاہیں کشاکش اور تصادم کے ان ظاہری مناظر سے گزر کر ان حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچ گئیں جو اس تصادم کے اندر پوشیدہ ہیں، ان کو یہ حقیقت صاف دکھائی دی کہ اس دنیا کی خالق صرف ایک ہی قادر و قیوم ذات ہے۔ اگر وہ ذات ایک نہ ہوتی تو دو متضاد قسم کے عناصر اور قوتوں کی کشمکش کے اندر آسمان و زمین کا تمام کارخانہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء - ۲۲)

اگر ان دونوں کے اندر (آسمان و زمین) اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (المومنون - ۹۱)

اللہ نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ کوئی معبود اس کا ساجھی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔

پس اس کائنات کے اندر قوتوں اور طاقتوں کا جو تصادم ہے، نگاہ کو اس پر ٹھہر نہیں جانا چاہیے، بلکہ ان مصالح

تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اس تصادم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے ہر چیز جوڑوں کے اتصال اور ان کے باہمی تعلق سے وجود میں آتی ہے اور تمام مصالح و فوائد کا سرچشمہ درحقیقت متضاد اور متصادم توڑوں کا وجود ہی ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں ٹکرا کر اپنے سے ایک بالاتر حقیقت کو وجود کرلاتی ہیں۔ اس کارخانہ کے اندر کسی ایسے شر کا وجود نہیں ہے جس کے اندر سرے سے فائدہ کا کوئی پہلو ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ خیر مطلق ہے حسن و خوبی کی تمام صفتیں اور کمال و کبریائی کی تمام عظمتیں صرف اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ پس اس دنیا میں جو چیزیں ہمیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں وہ بھی درحقیقت ایک دوسرے کی معاون ہیں۔ اس پوری دنیا کو اس کی مجموعی حالت میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ مختلف اجزاء، عناصر اور متضاد قوی اور عوامل کی ایک نہایت دلفریب اور حسین وحدت ہے اور یہ تمام متضاد حالتیں — یعنی ولیل اور آسمان و زمین، سردی اور گرمی، خوشی اور غمی، نیکی اور بدی — اسی وحدت کے احوال و عوارض ہیں۔

اس کو دوسرے سادہ لفظوں میں اجمال کے ساتھ یوں بھی سمجھ سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مثلاً علل کو معلولات کے ساتھ، طبائع کو ارادوں کے ساتھ، قویٰ کو آلات کے ساتھ، اجسام کو ارواح کے ساتھ، اعمال کو جزا کے ساتھ اور دنیا کو آخرت کے ساتھ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (یٰسٓ - ۳۶)

پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے تمام جوڑے نباتات زمین کی قسم میں سے اور خود ان کے اندر سے اور ان چیزوں کے اندر سے جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قانون کس قدر ہمہ گیر ہے اور اس پر جس قدر غور کرو اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی رحمت بے نقاب ہوتی ہے اور ہم کو اس کی تسبیح اور اس کی حمد کی دعوت دیتی ہے۔

لیکن جنھوں نے اس دنیا کی ہر چیز کو صرف اس کی اکہری حالت میں دیکھا ہے، دوہری حالت میں نہیں دیکھا ہے، یعنی ان کی نگاہ جوڑے کے صرف ایک ہی فرد پر پڑی ہے، دوسرے فرد کو وہ نہیں دیکھ سکے ہیں۔ ان پر اس کائنات کا اصلی حسن و جمال بے نقاب نہ ہوسکا اور اس کے سبب سے وہ طرح طرح کی غلطیوں میں پڑ گئے۔ جو شخص صرف دنیا کو دیکھے گا اور آخرت پر نگاہ نہ پڑے گی اس کو یقیناً یہ دنیا نہایت مکروہ، نہایت بدمنظر اور نہایت ہولناک صورت میں دکھائی دے گی۔ اس کے لیے یہ باور کرنا نہایت مشکل ہوگا کہ اس دنیا کی خالق کوئی ایسی ذات ہے جو حکیم و رحیم ہے کیونکہ دنیا میں ظلم و معصیت کے جو وحشتناک مناظر ہیں وہ کسی طرح بھی اس کے دل کو اس بات پر جمنے نہیں دیں گے کہ اس دنیا کا خالق حکیم و رحیم ہے۔

اس حقیقت کی پوری تفصیل دوسری سورتوں میں ملے گا۔ یہاں اس سے زیادہ اس بحث کو پھیلانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس تمہید کو سمجھ لینے کے بعد "وَالشَّمْسِ" سے لے کر "دَسّٰهَا" تک کی تفسیر پر غور کرو گے تو تمھیں یہ بات نظر آئے گی کہ جو نظام اس عالم جسمانی میں قائم ہے بعینہٖ اسی طرح کا نظام عالم روحانی کے اندر بھی قائم ہے۔ مثلاً اس نظام جسمانی کے دو

پہلو ہیں۔ روشنی اور تاریکی، بلندی اور پستی اور اس کے ہر پہلو کے ساتھ اس کائنات کی ایک خاص مصلحت وابستہ ہے اور ان دونوں پہلوؤں کے اجتماع ہی سے انسان کی پرورش اور اس کی فلاح و بہبود کے گوناگوں پہلو ظہور میں آتے ہیں۔ قدرت نے زمین کو ایک فرش بنایا اور اس پر انسان کی معیشت کے لیے طرح طرح کی نباتات اگا دیں۔ رات کو ڈھانک کر پرسکون بنایا اور اس میں اس کے لیے راحت و آرام کا بستر بچھا دیا۔ بالکل یہی حال عالم روحانی کا بھی ہے۔ اس میں بھی زمین اور آسمان، رات اور دن ہیں۔ اور ان دونوں کی تدبیر ہی سے روح کی ترقیاں اور کامیابیاں ظہور میں آتی ہیں۔ یہی حقیقت ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد انسان پر خدا کی حکمت و رحمت اور اس کی حکومت کے کچھ اسرار منکشف ہوتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۝ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝ (الفرقان - ۶۱-۶۲)

سراپا برکت ہے وہ ذات جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں چراغ اور روشن چاند۔ وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا، اس کے لیے جو چاہے یاددہانی حاصل کرنا یا چاہے شکر کرنا۔

"جو چاہے یاددہانی حاصل کرنا" یعنی اس امر کو یاد کرنا چاہیے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مدبر اور ایک پروردگار ہے "یا چاہے شکر کرنا" یعنی اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام کارخانہ کو رحمت کے لیے بنایا ہے۔ سورۂ رعد کی آیات (۱-۵) میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

ان آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام کائنات کے اس اصول پر ہونے کا اصلی مقصد ہمارے نفوس کی اصلاح و تربیت ہے۔ چنانچہ کائنات کی حالت کے بالمقابل نفس کی حالت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مادی دنیا کو اللہ تعالیٰ نے تاریک اور روشن اور پست و بلند اس لیے بنایا ہے تاکہ نفس انسانی کے لیے یہ ایک آئینہ کا کام دے اور جو حقیقت اس کو الہام کی گئی ہے اس کا اعتقاد اس مادی مثال سے اس کے اندر پوری طرح راسخ ہو جائے اور اس کو ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نشانیاں مل جائیں۔ پس پہلے دلائل آفاق بیان کیے پھر بالکل ٹھیک اسی کے مطابق دلائل انفس بیان فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے خالق و حکیم اور مدبر و متصرف ہونے کا یقین ہمارے اندر پختہ ہو اور پھر یہیں سے توحید اور جزا و سزا کا قطعی ہونا سمجھ میں آئے۔ چنانچہ ایک مقام میں فرمایا:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدہ - ۵۳)

اور ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے نفوس کے اندر تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

پھر اس کے بعد نفس کی حالت اور اس کے اندر نیکی اور بدی کے الہام کیے جانے کا ذکر فرمایا، جو درحقیقت زندگی بعد موت اور جزا و سزا کی ایک نہایت واضح دلیل ہے کیونکہ اگر زندگی بعد موت اور جزا و سزا نہیں ہے تو فجور و تقویٰ کے کیا معنی؟ فجور وہ چیز ہے جو فطرت کے مخالف ہو اور جس کا ارتکاب خدا کی نافرمانی کا باعث ہو اور تقویٰ نفس کی طہارت اور خداترسی کو کہتے ہیں۔ الہام سے مراد بندگی اور ذمہ داری کا وہ احساس ہے جو ہر انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ سورۂ قیامت کی تفسیر میں اس کے متعلق بعض اشارات گزر چکے ہیں۔ یہ الہام اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ ہمارا خالق ہمارے اعمال کے مطابق ہم کو جزا اور سزا دے گا۔ قیامت کے

واقع ہونے پر یہ ایک فطری شہادت ہے۔ ہمارے نفس کے لیے اس شہادت سے بڑھ کر کوئی اور شہادت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ شہادت خود ہمارے اندر سے بول رہی ہے لیکن جن کے کان اس عالم محسوسات کے ہنگاموں سے بہرے ہو چکے ہیں وہ اس شہادت سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ اس وجہ سے قرآن نے ان کو متوجہ کرنے کے لیے پہلے عالم آفاق کی شہادتیں پیش کیں اور آفتاب و ماہتاب، روز و شب اور آسمان و زمین کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایک تدریج کے ساتھ عالم انفس کی بعض گواہیاں پیش کیں اور سب سے آخر میں ایک تاریخی شہادت پیش کی جو مخاطب کے نزدیک بالکل مسلم تھی۔ یہ شہادت کی ایک تیسری قسم ہے جو آفاقی و انفسی دونوں طرح کے دلائل کی جامع ہے۔ آگے ہم بالاجمال اس پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

۶۔ معاد پر ایک تاریخی شہادت

اہل عرب جن قوموں سے اچھی طرح واقف تھے انہی کے حالات کو اللہ تعالیٰ نے گواہی میں پیش کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ کے الفاظ سے جیسا دھندلا تصور ہمارے ذہن میں قائم ہوتا ہے ویسا ہی اہل مکہ کے ذہن میں بھی قائم ہوتا ہوگا؟ نہیں۔ اس سورہ کے چند مختصر لفظوں میں ثمود کے متعلق جو اشارات کیے گئے ہیں، وہ اہل عرب کے سامنے ثمود کی پوری تاریخ آئینہ کر دینے کے لیے بالکل کافی تھے۔ ثمود عرب بائدہ میں سے ہیں جن کی بستیاں اور جن کے چرچے اہل عرب نے وراثت میں پائے تھے اور جن کے متعلق ان کی روزمرہ کی گفتگوؤں میں مختلف قسم کی مثلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ قرآن مجید ہمارے اس دعوے پر سب سے بڑی حجت ہے۔

۱۔ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ۔	اور عاد اور ثمود اور تم کو ان کی بستیاں معلوم ہیں۔
۲۔ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (النمل ۵۱-۵۲)	بے شک ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو تباہ کر دیا۔ پس یہ ان کے ڈھئے ہوئے مکانات ہیں ان کے ظلم کے باعث، بے شک ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔
۳۔ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ (ابراھیم - ۴۵)	اور تم بسے ان لوگوں کی بستیوں میں جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور تم کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور ہم نے تمھارے لیے مثلیں بیان کیں۔

شعراء نے بھی ان کا ذکر ایک جانی پہچانی ہوئی قوم ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ ابوزبید طائی کہتا ہے:۔

من رجال کانوا جمالا نجوما فھم الیوم صحب اٰل ثمود

ثمود، عاد کے بقایا میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شعراء کبھی کبھی ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ وہ دونوں قوموں کو ایک کر دیتے ہیں۔ آگے زہیر بن ابی سلمیٰ کا ایک شعر اس مطلب کا ملے گا۔ یہ لوگ اپنی قوت اور اپنے دبدبہ میں ضرب المثل تھے۔ خنساء نے کہا ہے:

ولا قاہ من الایام یوم کما من قبل لم یخلد قدار

اور اس کو گردش روزگار نے فنا کر دیا، جس طرح اس سے پہلے قدار کو دوام نہیں حاصل ہوا۔

شعر میں قدار سے مراد احمر ثمود ہے جو قوم ثمود کا سردار تھا اور جس نے اونٹنی کو گزند پہنچایا تھا۔ جس طرح عاد میں قیل بن عمر گزرا ہے اسی طرح قوم ثمود میں یہ نہایت سرکش اور مطلق العنان سردار تھا۔ مشہور جاہلی شاعر افوہ اودی نے ایک قصیدہ میں اپنی قوم کے پاجیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کو قیل و قدار سے تشبیہ دی ہے۔

فینا معاشر لم یبنوا لقومھم وان بنی قومھم ما افسدوا عادوا

(ہم میں کچھ ایسے اشرار ہیں جنھوں نے اپنی قوم کے لیے کچھ بنایا نہیں اور اگر ان کے بگاڑے ہوئے کو قوم نے بنایا تو انھوں نے اس کو پھر بگاڑ دیا)

لا یرشدون ولم یرعوا المرشدھم والجھل منھم معا والغی میعاد

(نہ خود راہ دکھاتے ہیں اور نہ راہ دکھانے والوں کی سنتے ہیں۔ جہالت اور سرکشی دونوں ان میں ساتھ ساتھ ہیں)

اضحوا کقیل بن عمر فی عشیرتہ اذ اھلکت بالذی سدی لھا عاد

(ان کا حال وہی ہے جو قیل بن عمر کا اپنی قوم کے اندر تھا کہ اس کی کرتوت کی بدولت عاد ہلاک ہوئے)

او بعدہ کقدار حین تابعہ علی الغوایۃ اقوام فقد بادوا

(یا اس کے بعد قدار کا جس کی لوگوں نے گمراہی میں پیروی کی اور ہلاک ہوئے)

واقعات کی شہادت چونکہ ہر شخص محسوس کرتا ہے اور ان کی تفصیلات تواتر کے ساتھ آدمی سنتا ہے اس وجہ سے قدرتی طور پر طبیعتیں ان سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں، اپنے نفس پر خواہشوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں اس وجہ سے آدمی کو اپنے اعمال کی برائی نظر نہیں آتی۔ لیکن برائی سے نفرت ایک فطری بات ہے اس وجہ سے دوسروں کے حالات سے وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔

ہم نے ان شہادتوں کے متعلق کہا ہے کہ یہ آفاقی اور انفسی دونوں طرح کے دلائل کی جامع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ہمارے اعمال کے مطابق جزا دینے کا جو معاملہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان شہادتوں کے اندر اس کا ہر پہلو موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہمارے اندر نیکی اور بدی کا مخفی الہام فرمایا، اس کے بعد جھڑکی اور دھمکی دے کر ہم کو ہوشیار کیا، پھر اپنی اس جھڑکی اور دھمکی کے آثار و نتائج یعنی معذب قوموں کی ڈھتی ہوئی بستیوں کو بعد میں آنے والوں کے لیے سرمایۂ عبرت بنا کر محفوظ کر دیا کہ وہ دیکھ سکیں کہ ان کے اگلوں کے ساتھ ان کی شرارت پر کیا معاملہ ہوا۔ پس ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر آفاقی و انفسی دونوں طرح کی دلیلیں جمع ہو گئی ہیں۔

۷۔ قریش اور ثمود

دوسری فصل میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں قریش کے لیے ایک عام انذار و تخویف ہے اور روئے سخن خصوصیت کے ساتھ ابولہب کی طرف ہے۔ اب تھوڑی دیر توقف کر کے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ قریش اور ثمود میں مناسبت کیا ہے؟ یہ معلوم ہے کہ قریش تمام عرب کے سردار تھے اور ان کے منصب کی عظمت اور ان کی عام ذہنی بلندی نے پورے ملک میں ان کو ایک نہایت نمایاں تفوق اور برتری کی جگہ دے دی تھی۔ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حیثیت کسی زمانہ میں ثمود کو بھی حاصل تھی۔ ثمود عاد کے بقایا میں سے ہیں اور ان کی تمدنی اور صنعتی برتری اس درجہ مسلم رہی ہے کہ عرب ان کے

تمدنی آثار کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ خود قرآن مجید ان کا ذکر ایسے انداز سے کرتا ہے جس سے ہمارے بیان کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ - (العنکبوت - ۳۸)	اور ہم نے ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو اور تم کو ان کی بستیاں معلوم ہیں اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا پس روک دیا ان کو اللہ کے راستہ سے حالانکہ وہ بڑے کاروان تھے۔

سورہ فجر کی تفسیر میں ہم ان کی تمدنی ترقیوں کے بعض دلائل کلام عرب کی تائیدات کے ساتھ نقل کر آئے ہیں۔ جو مناسبت قریش اور ثمود میں ہے اس سے زیادہ گہری مناسبت ان دونوں قوموں کے سرداروں میں ہے۔ قریش کے ابولہب اور ثمود کے قدار کے حالات پر غور کرو تو تم کو نظر آئے گا کہ بالکل ایک ہی قسم کا کردار دو ہستیوں میں دو جگہ نمودار ہو گیا ہے۔ یہ دونوں بدبخت ترین خلائق تھے۔ دونوں اپنی اپنی قوموں کے سردار تھے اور بالآخر دونوں ہی نے اپنی قوموں کو ہلاکت کے گڑھے میں گرایا۔

عرب میں سیادت، وقیادت کی تمام عظمت خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس کی تولیت ابوطالب کے بعد ابولہب کو منتقل ہوئی۔ اور اس طرح تمام عرب کی قیادت کی باگ اس کے قبضہ میں آئی۔ اس نے بیت اللہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے بنیادی مقاصد۔ دعوت توحید اور ہمدردی فقراء و غربا — یک قلم برباد کر دیے۔ یتیموں کو دھکے دینے لگا، مسکینوں کو دھتکارنے لگا، نماز اور ذکر الٰہی، جس سے اس گھر کی اصلی رونق و آبادی تھی، خاتمہ کر دیا اور سرکشوں اور نافرمانوں کا ایک جتھا بنا کر ان کا سردار بن بیٹھا۔

پھر جب اسے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اس کی بدعتوں اور شرارتوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے تو اس کو اپنی سرداری کے زوال کا خطرہ محسوس ہوا، اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا اس نے آنحضرتؐ سے جنگ و پرخاش شروع کر دی اور قریش کے تمام سرکشوں کو آپؐ کی مخالفت پر متحد کر لیا۔ سورہ لہب اور سورۂ ماعون کی تفسیر میں ہم اس کی بعض خصوصیات بیان کریں گے یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ گوناگوں مناسبتیں تھیں جن کی وجہ سے قرآن نے ثمود اور ان کے سردار قدار کو قریش اور ان کے سردار ابولہب کے سامنے بطور مثال اور نمونۂ عبرت کے پیش کیا، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ جو راہ وہ چل رہے ہیں وہ بعینہٖ وہی راہ ہے جو ان سے پہلے دوسری گمراہ قومیں چل چکی ہیں اور جس کا انجام بالآخر تباہی ہوا ہے۔ اس مقصد سے قرآن نے پچھلی قوموں میں سے بہت سی قوموں کے حالات قریش کو سناتے ہیں تاکہ وہ ان حالات کے آئینہ میں خود اپنے حالات و انجام دیکھ لیں اور اسی کے ساتھ ان کو یہ بات بھی بتا دی گئی کہ اب وہ خدا کے عذاب کے پوری طرح مستحق ہو چکے ہیں لیکن نبیؐ اور مومنین کے ایمان کی برکت کی وجہ سے ابھی وہ اس کی زد سے محفوظ ہیں۔ جس روز یہ امان اٹھ جائے گی، یعنی پیغمبر اپنی جماعت کے ساتھ ان کو چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائے گا عذاب الٰہی آدھمکے گا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ	اور اللہ کو زیبا نہ تھا کہ وہ ان کو عذاب دیتا درآں حالیکہ تم ان کے اندر موجود تھے اور نہیں تھا اللہ ان کو عذاب دینے والا درآنحالیکہ وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہوں۔

پس قوم کے اندر سے کسی ایک جماعت کا استغفار بھی عذاب کو دفع کرتا رہتا ہے۔ اور جب تک یہ جماعت اعلانِ برأت کر کے قوم سے علیحدہ نہ ہو جائے، اس کی برکت پوری قوم پر سایہ افگن رہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجادلہ کا جو واقعہ قرآن نے سنایا ہے اس سے اس دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ بالکل یہی صورت حالات قریش کے معاملہ میں بھی تھی۔ قریش عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن پیغمبرؐ اور مومنین کی موجودگی نیز بیت اللہ کی برکت اور مکہ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام مانع عذاب تھی۔ یہاں تک کہ مومنین مکہ سے ہجرت کر گئے اور پیغمبرؐ کی امان اٹھ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین مطہر کو سرکشوں اور نافرمانوں سے پاک کر دیا اور مومنین کے لیے ہجرت کے بعد "فرقان" کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کیا اور یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ بیت اللہ کی حرمت کو کوئی بٹہ نہیں لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق جو دعا فرمائی تھی وہ ہر حال میں مستجاب رہی۔ اس معاملہ کے بعض پہلوؤں کی تفصیل تفسیر سورۃ الفیل اور تفسیر سورہ الکافرون میں ملے گی۔

۸- ایک لطیف اشارہ

ثمود کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کو صرف جھٹلانے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ ناقہ کو ہلاک کر دینے کے بعد انھوں نے پیغمبرؑ کو قتل کر دینے کا بھی ارادہ کیا۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ - (النمل - ۴۹-۵۱)	انھوں نے کہا آؤ آپس میں خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور رات کے وقت صالح اور اس کے گھر والوں پر چھاپہ ماریں گے پھر ہم اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ اس کے آدمی کے مارے جانے کے وقت تو ہم موجود ہی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ اور وہ ایک داؤ چلے اور ہم بھی ایک داؤ چلے اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ پس دیکھو ان کے داؤ کا انجام کیسا ہوا۔ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر مارا۔

اسی کے ساتھ دیکھو قریش نے اپنے پیغمبرؐ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال - ۳۰)	اور یاد کرو جب کافر تم پر داؤ چلا رہے تھے کہ تم کو قید کر لیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں اور وہ اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

یہ دونوں واقعات کس قدر مشابہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ایک ہی واقعہ دو طرح تعبیر کر دیا گیا ہے۔ صرف الفاظ کا فرق ہے

قریش کے معاملہ کی اٹھان بالکل ثمود ہی کے انداز پر تھی۔ اس وجہ سے پہلے سے معلوم تھا کہ ان کی سرکشی بالآخر کس نتیجہ پر پہنچے گی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ثمود کے حالات کی ایک تصویر قریش کے سامنے رکھ دی تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ جس طرح ثمود نے حضرت صالحؑ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا، اسی طرح قریش بھی اپنے پیغمبر کو قتل کرنے کی سازشیں کریں گے اور جس طرح ثمود اپنی ان شرارتوں کی پاداش میں ہلاک ہوئے اسی طرح بالآخر قریش بھی تباہ کر دیے جائیں گے۔ ثمود نے اونٹنی کو قتل کر کے چاہا کہ دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر صالح کی بات سچی ہے تو عذاب ضرور آئے گا اور اگر عذاب نہ آیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب صالح کی زبانی دھمکیاں تھیں اور پھر ہم اس کو بے دریغ قتل کر دیں گے۔ لیکن خدا نے ان کو مہلت نہ دی، قبل اس کے کہ وہ اونٹنی کے قتل کے بعد پیغمبر کے قتل کا ارادہ کرتے، عذاب الٰہی نے نمودار ہو کر ان کی ساری سازشیں درہم برہم کر دیں۔

پس یہ واقعہ یہاں اس لیے سنایا گیا کہ قریش اپنے آغاز و انجام کی پوری حکایت پہلے سے سن رکھیں اور اگر اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیں تو عبرت حاصل کریں۔ اور قرآن نے، جیسا کہ اس کا طریقہ ہے، واقعہ کی پوری تفصیل نہیں بیان کی ہے بلکہ جس طرح عبرت و موعظت کے لیے وہ واقعات بیان کرتا ہے اسی طرح اس کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف اشارے کر دیے ہیں۔ قرآن مجید کے اشارہ کرنے کا انداز عموماً یہ ہوتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ، فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ، بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (البروج - ۱۷-۲۰)

کیا تم نے لشکروں کی سرگزشت سنی، عاد اور ثمود کی؟ بلکہ کافر لوگ تکذیب کے درپے ہیں اور اللہ ان کے آگے سے ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

پڑھنے والوں کو انہی اشارات کی مدد سے ذہن میں پوری تصویر تیار کر لینی چاہیے۔ جو لوگ اس طرح ثمود کے واقعہ پر غور کریں گے وہ بے تکلف اس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے جس نتیجہ تک ہم پہنچے ہیں۔ یعنی ان پر یہ واضح ہو جائے گا کہ اس میں قریش کے عزائم و اعمال اور ان کے انجام کی طرف نہایت لطیف انداز میں اشارے کیے گئے ہیں۔

اس طرح کے اجمالی اشارات کسی واقعہ کے متعلق اس کے ظہور سے پہلے اس لیے کر دیے جاتے ہیں کہ جب وہ واقعہ ظہور میں آئے تو یہ پیشین گوئیاں مومنین و منکرین دونوں کے اندر اس امر کا یقین پیدا کریں کہ اللہ کے وعدے بالکل سچے ہوتے ہیں اور وہ ضرور پورے ہو کے رہیں گے۔

قرآن مجید اور اگلے صحیفوں میں تنبیہات و بشارات کے سلسلہ میں اس نکتہ کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں۔

۹- ایک اشارہ اُمّتِ مرحومہ کے باب میں

اگرچہ ہماری اس کتاب کا مقصد اشارات و لطائف کی جستجو نہیں ہے لیکن ایک ایسی بات کا ذکر انشاء اللہ ناموزوں نہ رہے گا جو نفس کی سرکشی اور مطلق العنانی کے انجام کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہیں۔ کیونکہ یہ چیز اس درجہ اہم ہے کہ اسی چیز کی بدولت امت مرحومہ بارہا ہلاکت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے

ہر مرتبہ اس تباہی سے اس کو بچا لیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پچھلی قوموں کے جو واقعات اور جو مثلیں بیان کی ہیں ان سے سبق حاصل کرنا ایک بہت بڑا علم ہے۔

انبیاءؑ کے صحیفوں اور قرآن میں یہود کی سب سے بڑی شرارت یہ بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے انبیاء اور صالحین کو قتل کیا۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۶۱)

اور مار دی گئی ان پر ذلت اور مسکنت اور وہ لوٹے اللہ کا غضب لے کر۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

یعنی انھوں نے سرکشی اور تعدی کی وجہ سے انبیاء کو قتل کیا۔ سورہ بقرہ میں دوسری جگہ ہے:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۔

کیا جب تمھارے پاس کوئی رسول تمھاری خواہشوں کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا تم اکڑ بیٹھے، پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرتے رہے اور کہتے ہیں ہمارے دل تو محفوظ ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر لعنت کر دی ہے پس وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یعنی ان کے اس کفر اور استکبار کے سبب سے جس نے ان کو انبیاء کی تکذیب اور ان کے قتل پر آمادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر گمراہی کی لعنت کر دی۔

یہ مضمون سورۂ آل عمران میں بھی وارد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور انبیا کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں میں سے عدل کا حکم دیتے ہیں تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ وہی ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ڈھ گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے.....

اس آیت میں نہایت وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ صالحین اور عدل و انصاف کی دعوت دینے والوں کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر انبیا کے قتل کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس معصیت کی محرک، درحقیقت وہی نافرمانی اور تعدی ہے جو انبیاء کے قتل کا باعث ہوتی ہے اور جس کا اس باب کی اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ایک اور حقیقت پر غور کرو۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ چند افراد و اشخاص کے کسی جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ پوری قوم پر اپنا غضب نہیں نازل کیا کرتا۔ مگر جب ان کے ہاتھوں سے عدل و قسط کا کوئی بنیادی قانون ڈھ رہا ہو اور دوسرے خاموشی سے ان کے مجرمانہ اعمال کا تماشہ دیکھتے رہیں اور مجرموں کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اس وقت پوری قوم خدا کے غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل و قسط کا قیام اس پورے نظام کائنات کے بقاو قیام کے لیے ناگزیر ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب اس پورے نظام کو کوئی صدمہ پہنچے تو سب اس کے لیے دردمند اور بے چین ہوں اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی حفاظت کے لیے ان کے اندر حمیت پیدا ہو، جو ایسا نہ کریں وہ درحقیقت مجرموں کے شریک حال اور ان کے معاون ہیں۔ اسی بنیاد پر قرآن نے ان لوگوں کو نہایت سخت الفاظ میں ملامت کی ہے جو جنگ و جہاد کے مواقع پر گھروں میں بیٹھے رہے اور حمایت حق و عدل کے جوش سے وہ بے چین نہیں ہوئے۔ قرآن نے جہاں امت کو اللہ و رسول کی کامل اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں مذکورہ بالا حقیقت کی بھی نہایت واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے۔ سورۂ انفال میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ[1] اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (۲۴-۲۷)

اے ایمان والو، اللہ کا حکم مانو اور رسول کا۔ وہ تم کو بلاتا ہے ایسی چیز کے لیے جو تم کو زندگی بخشے گی اور یاد رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہے[2] اور اسی کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے[3]۔ اور اس فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے[4]۔ اور یاد رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے اور یاد کرو جب تم زمین میں تھوڑے اور کمزور تھے۔ ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک لے جائیں۔ پس اللہ نے تم کو پناہ دی اور اپنی مدد سے تمھاری تائید کی اور تم کو پاک روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو۔

ان آیات میں صاف بیان فرما دیا کہ اگر کسی قوم کے چند افراد کسی جماعتی معصیت کا ارتکاب کریں اور باقی سب خاموش رہیں، ان کے ہاتھ نہ پکڑیں تو ان کے جرم کی پاداش میں پوری قوم ماخوذ ہوگی، کیونکہ انھوں نے حق و عدل کو، جو سب کی متاع مشترک تھا،

[1] "وَلِلرَّسُوْلِ" میں 'واؤ' بیان کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی دعوت دیتا ہے۔

[2] یعنی آدمی کے دل کے بھیدوں کو قبل اس کے کہ آدمی خود ان کا احساس کرے اللہ تعالیٰ جان لیتا ہے۔

[3] پس جو کچھ تم نے چھپا رکھا ہے اور جو کچھ ظاہر کیا ہے سب کا حساب ہوگا کیونکہ وہ تمھارے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔

[4] یعنی صرف وہی لوگ عذاب میں ماخوذ نہ ہوں گے جنھوں نے پیغمبر کی نافرمانی کی ہے کیونکہ بقیہ لوگوں پر یہ فرض تھا کہ وہ نافرمانوں کو روکتے اور پیغمبر کے ساتھ ہمدردی کرتے۔

تنہا چھوڑ دیا۔ ثمود کے واقعہ کی بالکل یہی نوعیت تھی اور یہی سبب ہے کہ ان کے اندر سے ایک بدبخت نے جو کچھ کیا اس کے وبال میں پوری قوم پکڑ لی گئی۔ چنانچہ دیکھو قرآن نے اس ایک شخص کے فعل کے لیے 'عَقَرُوْهَا' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جمع کا صیغہ۔ اور اونٹنی کے کاٹ ڈالنے کے جرم کو پوری قوم کی طرف منسوب کیا کیونکہ قوم نے اس جرم پر خاموشی اختیار کر کے درحقیقت اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔

ہمارے نزدیک یہ بات عقلاً بھی بالکل صحیح ہے کیونکہ گناہ درحقیقت قلب کی ایک صفت ہے۔ ظاہری اعمال و افعال تو محض اس کے آثار ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پر خوش ہے اور اس کو اچھا سمجھ رہا ہے تو یقیناً وہ اس شخص کے برابر ہے جس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا بہت سے اعمال و افعال یہود کی طرف ایسے منسوب کیے ہیں جن کی اصلی ذمہ داری ان کے آبا و اجداد پر عائد ہوتی تھی لیکن چونکہ اخلاف نے بھی ان افعال کو پسند کیا اس وجہ سے جائز ہوا کہ وہ ان کی طرف منسوب کیے جائیں۔ باپوں کے جرم میں بیٹے جو پکڑے جاتے ہیں تو اس میں بھی یہی راز ہے اور اس میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے جس کو ہم نے سورۂ نوح کی تفسیر[1] میں بیان کیا ہے اور وہ اس کے نہایت اہم مطالب میں سے ہے۔

۱۰- قوموں کے مواخذہ کا قانون

کوئی قوم جب نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوراً تباہ نہیں کر دیتا بلکہ اس کے بہت سے گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ جو توبہ کرنا چاہیں وہ توبہ کر لیں اور جو ہلاک ہونا چاہیں وہ پورے طور پر عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل)

اور اللہ لوگوں سے ان کے ظلم پر فوراً مواخذہ کرتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے ایک مدت معینہ تک۔

چنانچہ یہود کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں پر بار بار سزا دی۔ لیکن جب تک حضرت زکریا اور حضرت یحییٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے زعم کے مطابق، انھوں نے قتل کر کے اپنا پیمانہ لبریز نہیں کر لیا۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنی شریعت ان سے چھینی اور نہ ان سے اپنا رشتہ کاٹا۔ البتہ جب انھوں نے، اپنے خیال کے مطابق، اس تیسرے خون کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تو وقت آ گیا کہ خدا کا عذاب ان کو تباہ کر دے۔ اس تمہید کے بعد دو اہم باتوں کا خاص طور پر خیال رکھو۔

۱- قرآن مجید سے یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کے بُرے اعمال کے نتیجے فوراً نہیں ظاہر فرماتا بلکہ اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے کہ لوگوں کو مہلت دے یہاں تک کہ وہ عذاب کے پوری طرح مستحق ہو جائیں۔

۲- ذیں فصل میں ہم نے بتایا ہے کہ انبیاء و صلحاء اور عدل و قسط کی دعوت دینے والوں کا قتل شدید ترین معصیت ہے

[1] سورہ نوح کی تفسیر مولانا رحمۃ اللہ علیہ مکمل نہ فرما سکے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اور جرم نہیں۔

اب ہم گزشتہ امتوں میں سے ایک امت اور اس امت مرحومہ کی تاریخ کے چند واقعات کی روشنی میں بعض ایسے نتائج واحوال کی طرف اشارہ کریں گے جو ماضی میں واقع ہو چکے ہیں اور ضروری ہے کہ آئندہ بھی وہ واقع ہوں۔ اور یہ چیز منجملہ اس سنت الٰہیہ کے ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہے کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے) اور اس سے مراد سرکشوں اور مفسدوں کی گرفت کا وہ قانون ہے جو اٹل ہے اور جو ہمیشہ بے لاگ ظہور میں آتا ہے کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔

۱۱- امت مرحومہ میں ناقۃ اللہ کی مثال

ثمود نے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کرکے سرکشی کی جو منحوس مثال قائم کی تھی یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کرکے بعینہ اسی مثال کی تقلید کی۔ گویا یہود کے اندر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا وجود گرامی ناقۃ اللہ کی مثال تھا۔ یہ مثال محض ہماری طبع زاد نہیں ہے بلکہ قرآنی اشارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ناقہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ایک آیۃ اللہ تھی بعینہ یہی بات قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بھی ملتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں ان کی نسبت وارد ہے۔ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے اس کو (مریم) اور اس کے بیٹے (حضرت عیسٰیؑ) کو دنیا والوں کے لیے نشانی بنایا۔ یعنی ان کا وجود خود ایک آیت تھا۔ چنانچہ اس جرم کی پاداش میں یہود بھی ثمود کی طرح پامال کر دیے گئے اور ان سے نبوت کی نعمت ہمیشہ کے لیے چھین گئی۔

بعینہ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں بھی پیش آیا۔ اس امت کے اندر ناقہ کی مثال حضرت علیؓ تھے۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر قابض ہوئے وہ خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک وسلاطین تھے (الا ما شاء اللہ) جو مال وجائداد کی طرح بادشاہت کو وراثت میں پاتے تھے اور بادشاہوں ہی کی طرح فرمانروائی کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس انقلاب کی پیشین گوئی پہلے سے فرما دی تھی اور اس دور کو "ملک عضوض" کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا۔ بعض روایات میں ان تمام امور کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

> "اے ابوتراب! (علیؓ) کیا میں تمھیں بدبخت ترین خلائق احمر ثمود کی خبر نہ دوں جس نے ناقہ کو قتل کیا اور جو تم کو اس پر (سر پر) مارے گا اور اس سے یہ (داڑھی) تر ہو جائے گی۔"

۱۲- حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی مثالیں

تم کہو گے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ نہایت مظلومیت اور بے کسی کی حالت میں قتل ہوئے، جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ شہید ہوئے جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ سب سے آخر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قتل ہوئے، جن کی مظلومیت تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ پھر تم نے ان میں سے کسی کے واقعہ کو حضرت عیسٰی کے واقعہ سے کیوں نہیں تشبیہ دی؟ اس کے لیے حضرت علیؓ ہی کے واقعہ کو کیوں انتخاب کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ ایک مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ آپ کے قتل کی ذمہ داری اس امت پر نہیں ہے۔ آپ کو ایک عیسائی نے شہید کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا کہ آپ کا قاتل ایک نصرانی ہے تو نہایت خوش ہوئے کہ امت آپ کے قتل کے وبال سے بچ گئی۔ صرف تھوڑے سے شریر لوگ اس جرم پر راضی تھے اور چونکہ یہ پہلا خون تھا اس وجہ سے قانون الٰہی نے ڈھیل سے کام لیا۔ ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ حضرت زکریاؑ سے زیادہ مشابہ نظر آتے ہیں۔ جس طرح وہ قربان گاہ اور مسجد کے درمیان قتل ہوئے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نماز کے اندر شہید ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کا حلیہ تورات میں موجود ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ بہت سی صفتیں تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ آیت ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ کی تفسیر کے ذیل میں بعض ضروری باتیں ملیں گی۔

حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حالت سے زیادہ مشابہ ہے جس طرح حضرت یحییٰؑ قید کی حالت میں قتل کیے گئے اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر بند کرکے شہید کیے گئے۔

ان وجوہ سے حضرت عیسٰی السلام کے معاملہ سے جو مشابہت حضرت علیؓ کے واقعہ کو ہے، وہ کسی دوسرے واقعہ کو نہیں ہے۔ نتائج کے اعتبار سے بھی دونوں بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہود حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کرکے خدا کی امانت سے محروم ہو گئے اور مسلمان حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہو گئے۔

باقی رہا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا معاملہ، تو یہ ملت مرحومہ کے سینہ کا وہ زخم ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا اور تاریخ کبھی اس کو فراموش نہ کر سکے گی اور درحقیقت یہ اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے جو حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی تھی۔ زہیر نے جنگ کے نتائج کو احمر عاد سے تشبیہ دی ہے اور کیا خوب بات کہی ہے۔

فتنتج لكم غلمان اشأم كلهم كاحمر عاد ثم ترضع فتفطم

ایک برائی دس برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں جو بدبختی ظاہر ہوئی اسی کے نتیجہ کے طور پر وہ حادثہ بھی ظہور میں آیا، جو حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا باعث ہوا اور پھر اسی واقعہ کی جڑ سے اس طرح کے ہزارہا فتنوں کی شاخیں پھوٹیں اور پھیلیں اور ان کے مسموم اور مہلک ثمرات، نہ جانے کن کن صورتوں میں نمودار ہوئے یہ مسلمانوں کے جان ومال کی بربادی کے جو ہولناک اور شرمناک واقعات بار بار پیش آئے، یہ سب اسی شجرۂ فساد کے برگ وبار تھے اور یہی فتنے تھے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں آگاہ فرمایا تھا:

یایها الناس انما المومنون اخوة ولا	لوگو تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، کسی شخص کے لیے یہ بات
يحل لامرئ مال اخيه الا عن طيب نفس	جائز نہ ہوگی کہ وہ اپنے بھائی کا مال لے لے مگر اس کی اجازت
منه الا هل بلغت. اللهم اشهد فلا	اور خوشی سے۔ آگاہ میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ تو
ترجعن بعدى كفارا۔ يضرب	گواہ رہ۔ پس اے لوگو! نہ ہو کہ تم میرے بعد حالت کفر میں لوٹ جاؤ
بعضكم رقاب بعض۔	تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔

قرآن مجید نے بھی باہمی جنگ و جدل کو عذاب الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورہ انعام میں ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ	کہہ دو کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر عذاب بھیجے
عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ	تمہارے اوپر سے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے۔ یا تم
أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ	کو گروہ در گروہ کر کے تم کو باہم ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے
بَأْسَ بَعْضٍ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ	کا عذاب چکھائے۔ دیکھو ہم اپنی آیتیں کس طرح پھیر پھیر
لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۔ (۶۵)	کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد یہ عذاب نمودار ہو گیا۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں میں ایسی خونریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہو کے رہ گئے اور جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کا عذاب دوسری جماعت کو چکھا دیا اور یہ آگ برابر مشتعل رہی بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ اس کے بعد مسلمانوں پر جتنی آفتیں نازل ہوئیں وہ تمام تر اسی قسم کی جماعتوں کے ہاتھوں نازل ہوئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گروہ بندی اور تفریق اس درجہ مبغوض تھی کہ اس نے اپنے پیغمبر کو اس سے بالکل بری قرار دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ نہیں) اسی طرح ایک اور موقع پر بھی باہمی جنگ و جدل کو عذاب سے تعبیر فرمایا ہے۔ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اور ان لوگوں میں سے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی میثاق لیا۔ پس وہ بھول گئے ایک حصہ اس چیز کا جس کے ذریعہ ان لوگوں کی تذکیر کی گئی تھی (یعنی کتاب الٰہی) پس ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض کی آگ قیامت تک کے لیے)

اس بحث کی اصلی جگہ سورہ حجرات ہے، اس لیے یہاں انہی اشارات پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

۱۳- سورہ کے ربط پر دوبارہ نظر

اس سورہ میں بدبختی اور شقاوت کے انجام کی تفصیل کی ہے۔ گویا پوری سورہ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا کے اجمال کی تشریح ہے اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا میں جس فلاح کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کا ذکر اس سورہ میں مجمل چھوڑ دیا ہے اس کی توضیح نہیں فرمائی۔ اس کی توضیح بعد کی سورہ (سورۃ اللیل) میں کی ہے۔

ماسبق سورہ سے ربط کا پہلو یہ ہے کہ اس میں بتایا تھا کہ بیت اللہ کے چند مقاصد ہیں۔ ایمان، صبر، مرحمت اور حق و صبر کی دعوت۔ جو لوگ ان چیزوں کو اختیار کریں گے ان کے لیے کامیابی اور نصرت کی فتحمندیاں ہوں گی اور وہ اصحاب المیمنہ میں شمار ہوں گے اور جو ان سے اعراض کریں گے ان کے لیے بدبختی اور شقاوت کی ایک مثال بیان کی اور اس کے لیے قوم ثمود کے واقعہ کو بطور مثال کے اختیار فرمایا۔ اس پہلو سے یہ سورہ، سابق و لاحق دونوں سے مربوط ہو جاتی ہے اور اس کا موقع

وہی ہے جو سورہ ماعون کا ہے جیسا کہ اس کی تفسیر سے واضح ہوگا۔

لیکن اگر ان تمام سابق و لاحق تعلقات سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی یہ سورہ اپنے اندر ایک مستقل تعلیم حکمت رکھتی ہے۔ یعنی اس میں سرکشی اور تکذیب کے نتائج پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ پس اگر تم اپنی نظر کو اسی سورہ کے مطالب تک محدود رکھو اور اس کے پیش و عقب، پر نگاہ نہ ڈالو، جب بھی اس کی تعلیمات کم از کم سرکشی اور تکذیب کے داعیہ کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے تو بالکل کافی ہیں۔ ہاں اگر اس کو سابق و لاحق سے ملا کر دیکھو گے تو تم پر بعض نئی حقیقتوں کا انکشاف ہوگا۔ تم کو اس بیماری کی جڑ اور اس بدبختی کی اصل بنیاد کا سراغ لگ جائے گا۔ یعنی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان تمام مفاسد کی اصل درحقیقت قساوت قلب ہے۔ اس کے متعلق ہم نے سابق سورہ کی تفسیر میں مفصل بحث کی ہے۔ وہاں ہم نے دکھایا ہے کہ جہالت، بخالت اور سرکشی وغیرہ، تمام برائیوں کا اصل سرچشمہ قساوت قلب ہی ہے۔

۱۴- وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا کی تفسیر

قرآن مجید، جس طرح اگلے صحیفوں کی تصدیق کرنے والا اور ان کی تکمیل کرنے والا ہے، اسی طرح وہ ان کے اختلافات کے بارہ میں بھی فیصلہ کی کسوٹی ہے۔ اپنی یہ حیثیت قرآن مجید نے خود نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہے۔ ایک جگہ تورات اور انجیل کے بیان کے بعد قرآن کا ذکر ان لفظوں میں آتا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا	اور ہم نے اتاری تم پر کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرتی ہوئی اس چیز
لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ	کی جو اس کے آگے (پہلے) ہے کتاب میں سے (یعنی قدیم صحیفے)
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	اور نگران ہے اس پر پس فیصلہ کر ان کے درمیان اس چیز کے مطابق
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ	جو اللہ نے اتاری ہے اور نہ پیروی کر ان کی خواہشوں کی (یعنی ان
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔ (المائدہ - ۴۸)	کی تحریفات کی) چھوڑ کر اس حق کو جو تمہارے پاس آچکا ہے۔

دوسرے مقام پر ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ	بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بیان کرتا ہے بڑا حصہ ان باتوں کا
أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (النمل - ۷۶)	جن میں وہ مختلف ہیں۔

قرآن مجید اپنے اس منصب کے لحاظ سے، جہاں اگلے صحیفوں کی بہت سی باتوں کی تصدیق کرتا ہے، وہیں ان کی بہت سی ایسی باتوں کی، جو یہود نے ان سے ملا دی ہیں، اور جن کو حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں ہے، نہایت ہی زور و قوت کے ساتھ تردید بھی کرتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (اور ہم نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں) یہاں تک تو بعینہٖ تورات کے بیان کی تصدیق تھی۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ (اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں محسوس ہوئی) یہ ٹکڑا قرآن مجید کے مہیمن اور حکم ہونے کی حیثیت کو نمایاں کر رہا ہے یعنی اس میں تورات باب پیدائش کے اس بیان کی تردید ہے جو یہود نے اس میں ملا

دیا ہے کہ خداوند نے چھ دن کام کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔

اس اسلوب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی باتیں کہتا چلا جاتا ہے اور انہی کے لپیٹ میں کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس سے کسی خاص خیال کی تردید یا کسی مخصوص غلط فہمی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔

اس تمہید کو ذہن نشین کر لینے کے بعد، زیر بحث مقام پر غور کرو۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق جہاں بہت سی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہاں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ان بہت سے کاموں پر، جو رحمت و عذاب کے اس سے صادر ہوتے رہتے ہیں، کبھی کبھی پچھتایا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک دلچسپ مثال یہود کی عنایت سے تورات کی کتاب پیدائش ب میں بھی ہے۔

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں۔

تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔"

اسی طرح طوفان کے ذکر کے بعد ہے:

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے سبب سے میں پھر کبھی زمین پر لعنت نہیں بھیجوں گا کیونکہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے اور نہ پھر سب جانداروں کو جیسا اب کیا ہے ماروں گا۔"

قرآن کی تعلیم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے حکمت و رحمت کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے یا کسی قوم کو رفعت و ترقی بخشتا ہے تو یہ بغیر کسی ضابطہ اور اصول کے نہیں کرتا بلکہ اس قانون حکمت و رحمت کے مطابق کرتا ہے جو اس نے اپنے تمام کاموں کے لیے ازل سے ٹھہرا لیا ہے۔ اس کے کسی کام میں نہ خوف و طمع کا شائبہ ہے اور نہ کسی کمی اور بیشی کا اندیشہ۔ اس وجہ سے وہ ندامت و شرمندگی اور رنج و پچھتاوے کے تمام احوال و عوارض سے بالکل منزہ اور ارفع ہے۔ یہی حقیقت ہے جو یہاں وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا سے واضح ہو رہی ہے۔ اور اس طرح کی کتنی حقیقتیں ہیں جو قرآن کی برکت سے، اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشن فرما دی ہیں، حالانکہ دوسرے قرآن مجید کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے ان سے دور ہیں۔